© rasailojaraid.com

کتابتِ قرآنِ حکیم

ایک تحقیقی جائزہ

حافظ عبدالقیوم ☆

کسی بھی کتاب کی حفاظت کے لیے عالم اسباب میں دو ہی طریقے ہو سکتے ہیں۔

۱۔ سفینہ ۲۔ سینہ

چنانچہ قرآن مجید کی حفاظت کے لیے روزِ اول ہی سے دونوں طریقے استعمال کیے گئے۔

قرآن مجید کی حفاظت بذریعہ سفینہ کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے یہ دیکھ لیا جائے کہ اس وقت

الف۔ جزیرۃ العرب کا علمی پس منظر کیا تھا؟

ب۔ اس میں کس قسم کا سلسلہ تعلیم و تعلم اور درس و تدریس رائج تھا؟

ج۔ اہل عرب کے ہاں کس قسم کے ادوات کتابت رائج اور متداول تھے؟

د۔ قرآن مجید کی کتابت کے لیے جن ادوات کا انتخاب کیا گیا ان کی کیا خصوصیات تھیں؟

اگر ظہور اسلام کے وقت عرب کے نقشے کا خصوصاً صوبہ حجاز کا مطالعہ کیا جائے تو حجاز کے سامنے یعنی اس کے مشرق میں مصر واقع ہے جبکہ اس کے دائیں بازو پر شام ہے اور اس کے بائیں بازو پر یمن کا علاقہ ہے۔

چنانچہ اس جغرافیائی تحدید سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اہل حجاز کے تجارتی تعلقات ان ہی ممالک سے استوار ہو سکتے تھے اور یہ تاریخی روایات سے بھی ثابت ہے۔ مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سورۃ القریش کی آیت ﴿رحلة الشتآء و الصيف﴾ میں اسی بات کی طرف

☆ لیکچرار، شیخ زاید اسلامک سینٹر، جامعہ پنجاب، لاہور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اشارہ ہے کہ اہل عرب تجارت کی غرض سے سردیوں میں یمن کی طرف جاتے تھے اور گرمیوں میں شام کی طرف جاتے تھے۔

مؤرخین کا خیال ہے کہ اہل عرب افریقہ اور ہندوستان سے سامان تجارت بحری راستوں کے ذریعے سے لا کر یمن کے ساحل پر اتارتے اور پھر یہاں سے خشکی کے راستے بحر احمر (Red Sea) کے کنارے یعنی حجاز و مدین کو قطع کر کے شام پہنچاتے تھے اور پھر شام کی سرحد سے مصر لے جاتے تھے۔ اس بارے میں سید سلیمان ندوی کی بھی یہی تحقیق ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''افریقہ اور ہندوستان سے سامان تجارت بحری راستوں سے آ کر یمن اور حضر موت کے سواحل پر اترتا اور یہاں سے خشکی کے راستے بحر احمر کے کنارے حجاز و مدین اور وادی القریٰ کو قطع کر کے شام پہنچتا اور وہاں سے مصر پہنچتا'' (۱)

یہی وہ تجارتی شاہراہ ہے جس کو قرآن مجید نے ﴿امام مبین﴾ کہا ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿و انهما لبامام مبين﴾ (۲)

''یہ دونوں (قوم لوط اور قوم شعیب کے) شہر کھلی شاہراہ عام پر واقع ہیں''

اہل عرب اسی شاہراہ کے ذریعے سے شام کی طرف تجارت کی غرض سے سفر کیا کرتے تھے اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے قریش مکہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿و إنكم لتمرون عليهم مصبحين و بالليل﴾ (۳)

''کہ تم اس شاہراہ پر گزرتے ہوئے جس پر (قوم لوط اور قوم شعیب) عذاب الٰہی کے آثار پائے جاتے ہیں جن کو تم صبح و شام گزرتے ہوئے دیکھ سکتے ہو''

اس طرح حضرت یوسفؑ کے قصہ میں جس تجارتی قافلے کا ذکر ہے کہ جس نے حضرت یوسفؑ کو کنوئیں سے نکال کر مصر میں جا کر فروخت کر دیا تھا وہ قافلہ بھی اسی شاہراہ سے گزرا تھا جیسا کہ بائبل (Old Testament) میں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''ناگاہ (یوسف کے بھائیوں نے) دیکھا کہ اسماعیلیوں کا قافلہ جلعاد (شام) سے آ رہا ہے اور گرم مصالحہ اور روغن بلسان اور مر اونٹوں پر لادے ہوئے مصر کو لیے جارہا ہے..... پھر وہ مدیانی (اہل حجاز) سوداگرادھر سے گزرے''۔(۴)

اس لیے مذکورہ بحث سے یہ بات سامنے آئی کہ اہل عرب کے تجارتی تعلقات شام، مصرو یمن سے قائم تھے جبکہ شام اور مصر متمدن ممالک تھے اور علمی میدان میں بھی ترقی کی شاہراہ پر گامزن تھے اور یہ ممالک اپنے ہاں بننے والے ادوات کتابت بالخصوص پپائرس (Papyrus) جس کا عربی نام ''ورق بردی'' ہے کو پوری دنیا میں برآمد کرتے تھے۔ جیسا کہ Will Durant لکھتے ہیں۔

" In the higher grades, the student was allowed to use paper one of the main item of Egyptian trade and one of the permanent gifts of Egypt to the world" (5)

چنانچہ گذشتہ بحث سے یہ نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں۔

۱۔ اہل حجاز دنیا سے بالکل الگ تھلگ اور کٹے ہوئے لوگ نہ تھے کہ ان کا اپنی آس پاس اقوام کے ساتھ کوئی تعلق اور نہ ہی ان کا کوئی رابطہ تھا۔ بلکہ وہ تجارت پیشہ لوگ تھے۔

۲۔ اکثر امم سابقہ جو اپنے وقت متمدن اقوام رہ چکی تھیں جیسے قوم شعیب، قوم لوط، قوم عاد و ثمود عرب کے قرب و جوار میں سکونت پذیر تھیں۔

۳۔ اہل عرب سامان تجارت بحری راستوں سے لاکر یمن کے ساحل پر اتارتے اور پھر یہاں سے خشکی کے راستے حجاز سے گزر کر شام اور مصر پہنچاتے تھے۔

۴۔ اہل حجاز کے تجارتی تعلقات ان متمدن اقوام سے استوار تھے جو علم کتابت سے آشنا تھے۔ مثلاً مصر اور شام اور یہ ممالک مقامی طور پر ادوات کتابت کو بنا کر ساری دنیا کو برآمد کرتے تھے۔ ان ادوات کتابت کا بذریعہ تجارت حجاز میں آنا کیسے بعید از قیاس تصور ہوسکتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یقیناً اہل حجاز کے تجار ان متمدن ممالک سے علمی لحاظ سے متاثر ہوئے ہوں گے اور حجاز میں سامان کتابت کو متعارف کروایا ہوگا۔ چنانچہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس پس منظر میں حجاز کی علمی حالت کا جائزہ لے لیا جائے گا۔

جزیرۂ عرب کا علمی پس منظر

مکہ مکرمہ کی علمی حالت

مکہ مکرمہ عرب کا ایک مشہور شہر ہے اور یہیں سے نبی کریم ﷺ نے دعوتِ اسلام کا آغاز کیا تھا اہل مکہ کی علمی حالت کے بارے میں علامہ بلاذری کی روایت سے یہ بات مشہور ہوگئی کہ مکہ مکرمہ میں صرف سترہ آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے جیسا کہ "فتوح البلدان" میں انہوں نے لکھا ہے:

"دخل الاسلام و فی قریش سبعة عشر رجلاً کلّھم یکتب" (۶)

سترہ افراد کے نام حسب ذیل ہیں۔

"عمر بن خطاب، علی بن ابی طالب، عثمان بن عفان، ابو عبیدہ بن جراح، طلحہ یزید بن ابی سفیان، ابو حذیفہ بن عتیبہ بن بیعہ، حاطب بن عمرو، سھیل بن عمر العامری، ابو سلمہ بن عبدالاسد مخزومی، ابان بن سعید بن عاص بن امیہ، خالد بن سعید اخ ابان، عبداللہ بن سعید بن ابی سرح عامری، حویطب بن عبدالعزیٰ عامری، ابو سفیان بن حرب بن امیہ، معاویہ بن ابی سفیان، جہم بن صلت بن مخرمہ بن مطلب بن عبد مناف، علاء بن حضرمی"۔ (۷)

مگر مکہ کے لوگوں کی علمی حالت کے بارے میں یہ اعداد و شمار حقیقت پر مبنی معلوم نہیں ہوتے کیونکہ جن سترہ خواندہ اشخاص کی فہرست بلاذری نے دی ہے وہ نامکمل اور ادھوری ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ ہمیں ایسے اشخاص کے بھی پڑھے لکھے ہونے کا ذکر ملتا ہے جن کو بلاذری نے سترہ کی فہرست میں شامل نہیں کیا مثلاً، حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وغیرہ۔

اسی طرح مکہ میں رہنے والے ایسے لوگوں کا بھی تذکرہ ملتا ہے جو قبل از اسلام معلم کے فرائض سرانجام دیتے تھے اور جو کاتب کے نام سے مشہور تھے۔ مثلاً

۱۔ غیلان بن سلمہ

۲۔ عدی بن زید

۳۔ عمر بن زرارہ (۸)

اور اہل مکہ اپنے ہاں علمی مجالس و مذاکروں کا بھی اہتمام کرتے تھے جن میں وہ اشعار وانساب وغیرہ پڑھتے تھے چنانچہ اس قسم کی مجالس حضرت ابوبکر صدیق کے گھر پر بھی ہوا کرتی تھیں جیسا کہ ابن عباسؓ نے فرمایا:

''کانت قریش تألف منزل ابی بکرؓ لخصلتین العلم والطعام فلما أسلم، أسلم عامة من کان مجالسه''(۹)

قبل از اسلام مکہ میں نہ صرف تعلیم و کتابت کا سلسلہ جاری تھا بلکہ اہل مکہ عربی سیکھنے کے بعد اور غیر عربی زبانوں میں بھی مہارت حاصل کرنے کا شوق رکھتے تھے مثلاً عدی بن زید العبادی کے بارے میں ملتا ہے کہ اس نے عربی کی کتابت میں مہارت حاصل کرنے کے بعد فارسی میں بھی مہارت حاصل کی اور پھر وہ بلاد فارس چلا گیا اور وہاں دیوان کسریٰ میں عربی کاتب اور مترجم کے عہدے پر فائز ہوگیا جیسا کہ ''کتاب الاغانی'' میں ہے۔

''فصار أفصح الناس و أکتبهم بالعربیة والفارسیة ثم انتقل الی بلاد فارس فأصبح کاتباً بالعربیة و مترجماً فی دیوان کسریٰ''(۱۰)

ورقہ بن نوفل، جس نے نبی کریم ﷺ کی نبوت کی تصدیق کی تھی وہ بھی اس وقت کی علمی دنیا کا ایک درخشندہ ستارہ تھے۔ چنانچہ وہ انجیل کو عبرانی زبان میں لکھا کرتے تھے۔

''یکتب الکتاب العبرانی فیکتب بالعبرانیة من الانجیل ما شاء ان یکتب''(۱۱)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور عبداللہ بن عمرو بن عاص کے بارے میں روایت ہے کہ وہ اہل کتاب کی کتب سے بڑا شغف رکھتے تھے اور سریانی زبان جانتے تھے۔

مکہ کی آبادی میں جہاں ایسے مرد موجود تھے جو علم کتابت جانتے تھے تو وہاں ایسی عورتیں بھی موجود تھیں جو تحریر و کتابت سے آشنا تھیں۔ ان میں الشفا بنت عبداللہ شامل ہیں جنھوں نے بعد میں اسلام قبول کرلیا تھا اور مہاجرین اولین میں سے تھیں اور انہوں نے حضرت حفصہؓ (زوجۃ النبی ﷺ) کو بھی کتابت سکھلائی تھی ان کے علاوہ بنت عقبہ بن ابی معیط اور بنت مقداد وغیرہ کے بھی نام ملتے ہیں جو لکھنا پڑھنا جانتی تھیں۔

مکہ مکرمہ کی شرح خواندگی کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ مکہ کے لوگ تجارت پیشہ تھے اور وہاں ہر سال مختلف قسم کے میلوں کا انعقاد کیا جاتا تھا اور ان میلوں میں مختلف ملکوں اور علاقوں کے لوگ اپنے اپنے ملک کی مشہور اشیاء لے کر آتے تھے جہاں ایک ملک کے لوگ دوسرے ملک کی اشیاء کو خریدتے تھے جیسے مصر اور شام وغیرہ کے لوگ ان میلوں میں شرکت کرتے تھے اور اپنے ملک کی مصنوعات کو فروخت کرتے اور دوسرے ملکوں کی اشیاء کو خریدتے تھے۔ چنانچہ علامہ مرزوقی لکھتے ہیں:

''فلما دخلت سنة خمس و ثلاثين من عام الفيل و ذلک قبل المبعث بخمس سنين حضر السوق من بزاز و اليمن مالم يروا انه حضر مثله في سائر السنين فباع الناس ما كان معهم من إبل و بقر و نقد و ابتاعوا امتعة مصر ، والشام والعراق''(۱۲)

چنانچہ درج بالا بیان سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شام و مصر میں بننے والے مشہور ادوات کتابت یعنی پپائرس (Papyrus) وغیرہ انہیں میلوں ٹھیلوں اور تجارت کے ذریعے ہی عرب میں پہنچتا ہوگا جس پر مفصل بحث ''ورق بردی'' کے تحت کی جائے گی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مدینہ منورہ کی علمی حالت

مدینہ منورہ جس کا پرانا نام یثرب تھا اس میں یہود و نصاریٰ کے مختلف قبائل آباد تھے۔ اس شہر میں بھی تعلیم و تعلم کا سلسلہ قبل از اسلام سے جاری تھا لیکن یہاں کی علمی سرگرمیاں اور شرح خواندگی ایک تجارتی شہر نہ ہونے کی بنا پر اگرچہ کم تھی مگر آثار و قرائن کی روشنی میں یہ دعویٰ ہرگز نہیں کیا جا سکتا کہ اس شہر میں سلسلہ تعلیم و تعلم بالکل ہی مفقود تھا۔ علامہ واقدی لکھتے ہیں:

''کان الکتاب بالعربیة فی الاوس والخزرج قلیلا و کان بعض الیهود قد علم کتاب العربیة و کان تعلمه الصبیان فی المدینة فی الزمن الاول''(۱۳)

اسی طرح یہود جن کے بارے میں قرآن مجید میں ہے:

﴿یکتبون الکتاب بأیدیهم ثم یقولون هذا من عند الله﴾(۱۴)

ان دلائل کی موجودگی میں یہ بات کیسے درست ہوسکتی ہے کہ اہل عرب تعلیم و تعلم اور علم کتابت سے بالکل نا آشنا تھے۔

طائف کی علمی حالت

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے بعد حجاز کا اہم شہر طائف تھا جہاں نبی کریم ﷺ دس نبویؐ میں تبلیغ اسلام کے لیے تشریف لے گئے تھے یہاں جو قبائل سکونت پذیر تھے ان میں بنو ثقیف اور بنو ہذیل وغیرہ شامل تھے۔ عہد جاہلیت میں ادوات کتابت میں چمڑا ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا تھا کیونکہ اس کو دباغت دینے کے بعد تحریر و کتابت کے کام میں لایا جاتا تھا حیرانی کی بات یہ ہے کہ خود طائف میں چمڑے کی دباغت کا اتنا وسیع و عریض کام ہوتا تھا کہ طائف شہر کا نام ہی ''بلد الدباغ'' پڑ گیا۔ چنانچہ علامہ ہمدانی لکھتے ہیں:

''الطائف مدینة قدیمة و هی بلد الدباغ''(۱۵)

غالباً اسی وجہ سے اہل طائف و ہذیل عہد جاہلیت سے ہی تعلیم و کتابت میں مہارت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رکھنے کی وجہ سے مشہور چلے آ رہے تھے اور شاید اسی لیے حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمانؓ اس بات پر مصر تھے کہ مصاحف کی کتابت کا کام بنو ثقیف و ہذیل کے لڑکوں ہی سے کروایا جائے۔ چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں:

''لا یملین فی مصاحفنا إلا غلمان قریش و ثقیف''(۱٦)

اور حضرت عثمان نے فرمایا:

''اجعلوا المملی من هذیل و الکاتب من ثقیف''

درج بالا آثار و قرائن کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ طائف میں بھی سلسلہ تعلیم و تعلم قائم تھا اور وہاں ایسے لوگ موجود تھے جو علم کتابت سے واقفیت رکھتے تھے۔

یمن کی علمی حالت

شہر یمن اگرچہ حجاز کی حدود سے باہر تھا مگر یمن اور حجاز کے درمیان قرابت (Vicinity) کی بنا پر تجارتی تعلقات قائم تھے اور یمن کا شمار بھی ان علاقوں میں ہوتا ہے جہاں دباغت کا کارخانہ موجود تھا جیسا کہ علامہ مسعودی لکھتے ہیں:

''والیمن معدن الدباغة''(۱۸)

انبار اور عین تمر کی علمی حالت

عرب کے علاقہ انبار کے لوگ بھی عربی کی تعلم و کتابت کی دلچسپی رکھتے تھے جیسا کہ خالد بن ولیدؓ کے بارے میں آتا ہے کہ جب وہ اہل انبار کے ہاں تشریف لے گئے تو انہوں نے لوگوں کو عربی کی کتابت سیکھتے دیکھا۔

''حین نزل خالد بن ولید الانبار رآهم یکتبون العربیة و یتعلمونها''(۱۹)

اسی طرح کی بات خالد بن ولیدؓ نے عین تمر کے علاقے میں بھی دیکھی کہ بچے عربی کی کتابت کی تعلیم حاصل کر رہے تھے جن میں حمران مولی عثمان بن عفان بھی شامل تھے۔

''ان خالد بن ولید خرج إلی عین تمر و جد فی کنیسة صبیاناً یتعلمون الکتابة

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

في قرية يقال لها عين تمر و كان فيهم حمران مولى عثمان بن عفان "(۲۰)

گذشتہ بحث سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ جزیرۃ العرب کے بارے میں یہ بات درست نہیں ہے کہ وہاں قبل از اسلام علمی سرگرمیاں اور سلسلہ تعلیم وتعلم بالکل ہی مفقود تھا۔

اگرچہ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ عرب میں شرح خواندگی کم تھی۔ مگر اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ عرب لکھنے پڑھنے سے بالکل نابلد تھے۔ اس بات کی تائید ناصر الدین الاسد کے اس قول سے ہوتی ہے۔ چنانچہ ان کا کہنا ہے:

"فنحن إذن لا نقصد بشيوع الكتابة بين عرب الجاهلية أن كل عربي آنذاك كان كاتباً، بل لا نقصد أن الكتابة كانت أمراً معروفاً مالوفاً شائعاً عند قومنا آنذاك، كما كانت الأمية شائعة منتشرة و أن عدد الكاتبين كان كبيرًا كما كان عدد الأميين كبيرًا"۔(۲۱)

جزیرۃ العرب بالخصوص حجاز کے بارے میں عام طور پر جو تصویر کشی کی جاتی ہے کہ یہ صوبہ جہالت اور تاریکیوں کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبا ہوا تھا اور تعلیم وتحریر سے ان کو دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ چنانچہ یہ بات حجاز کے بارے میں دینی اعتبار سے تو درست ہوسکتی ہے کہ وہ اخلاقی اعتبار سے انتہائی پستی میں جاچکے تھے اور انسانیت وحی کی روشنی کو کھوچکی تھی۔ مگر یہ بات علم کتابت اور تعلیم و تعلم کے بارے میں درست نہیں ہوسکتی۔ قرآن مجید میں "جاہلیت" کے جو الفاظ آئے ہیں تو ان سے مراد فکری پستی ہے۔ جیسا کہ یہ بات درج ذیل آیت کریمہ سے معلوم ہورہی ہے گویا کہ لفظ "جاہلیت" سے یہ مراد نہیں کہ وہ لکھنے پڑھنے سے نابلد تھے بلکہ وہ ہدایت سے محروم تھے۔

﴿ولا تبرجن تبرج الجاهلية الأولى﴾(۲۲)

مولانا مناظر احسن گیلانی عہد نبوی ﷺ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"عہد نبوتؐ اور عہد صحابہؓ کے متعلق جو یہ سمجھا جاتا ہے کہ عہد جاہلیت سے چونکہ یہ زمانہ بہت زیادہ قریب تھا اس لیے نوشت وخواند کے سازوسامان کا اس وقت بسہولت میسر آنا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آسان نہ تھا، جاہلیت کے لفظ کا عوام جو یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ نوشت وخواند سے عرب کے باشندے اسلام سے پہلے قطعاً نا آشنا تھے۔ یہ صحیح نہیں ہے کہ ''جاہلیت'' قرآن کی ایک اصطلاح ہے ایک سے زاید مقامات پر قرآن نے اپنی اس اصطلاح کا تذکرہ کیا ہے۔ قرآن ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ خاص قسم کے خیالات وعقائد، عادات واطوار کی تعبیر ''جاہلیت'' کے لفظ سے کی گئی ہے کہ ورنہ جہاں تک عرب جاہلیت کے حالات سے پتہ چلتا ہے نوشت وخواند میں اس ملک کے باشندوں کی اسلام سے پہلے اگر بالکلیہ نہیں تو قریب قریب وہی حالت معلوم ہوتی ہے جو اس زمانے میں عام متمدن ممالک (ایران، روم، مصر وغیرہ) کی تھی''۔ (۲۳)

عقلی طور پر بھی یہ بات ناقابل تسلیم معلوم ہوتی ہے کہ حجاز کے لوگ درس وتدریس، موضوعات کتابت، ادواۃ کتابت سے بالکل بے بہرا ہوں کیونکہ جب نبی کریم ﷺ نے تبلیغ دین کا کام شروع کیا اس وقت خود نبی کریم ﷺ کے کاتبین وحی کی تعداد کم وبیش اڑتالیس تھی۔ ان کے علاوہ اور بھی صحابہ کرامؓ ایسے تھے جن کے ذمے نبی کریم ﷺ نے دیگر معاملات کی کتابت کے کام لگا رکھے تھے۔ تو جس تحریر وکتابت کا پہلے سے وجود ہی نہیں تسلیم کیا جا رہا وہ اچانک اعلان نبوت کے ساتھ ہی کیسے معرض وجود میں آ گئی۔ لہٰذا یہ بات عقلی طور پر بھی درست نہیں کیونکہ کسی بھی معاشرہ میں تحریر وکتابت کا تعلق تمدن سے ہوتا ہے اور تمدن ایسی چیز تو نہیں ہے کہ اچانک معرض وجود میں آ جائے بلکہ تمدن ایک ارتقائی مرحلہ سے گذرنے کے بعد اپنے نقطہ کمال کو پہنچتا ہے چنانچہ اہل حجاز کے بارے میں یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ ظہور اسلام کے بعد علمی سرگرمیاں تیز ہو گئیں اور تمام لوگ خود کو زیور تعلیم سے مزین کرنے لگے۔ ہمارا یہ مقصد ہر گز نہیں کہ عہد نبوی ﷺ اور اس سے پہلے کے دور کی شرح خواندگی سو فیصد ثابت کی جائے اور یہ موقف اختیار کیا جائے کہ وہاں تو سبھی لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے جیسا کہ بعض مستشرقین (Orientalists) اور پھر ان تقلید میں بعض جدید مسلم محققین کی رائے ہے۔ چنانچہ ان لوگوں کو اپنے درج بالا موقف کو ثابت کرنے کے لیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نصوص شرعیہ میں تاویلات فاسدہ اور توجیہات باطلہ کرنا پڑیں مثلاً ان کے نزدیک (امیون) سے مراد یہ ہے کہ جو شریعت الٰہی سے بیگانہ ہو اور نبی کریم ﷺ کو جو امی کہا گیا ہے تو اس سے ان کی مراد یہ کہ آپ ﷺ ایسے امی عربوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے جو نہ کسی رسول کو تسلیم کرتے تھے اور نہ خدا کی نازل کردہ کسی کتاب کو قبول کرتے تھے چنانچہ وہ اپنے موقف کی تائید میں حسب ذیل روایت پیش کرتے ہیں جس کو علامہ ابن جریر طبریؒ نے اپنی تفسیر میں قلم بند کیا ہے۔

"قال : و منهم أميون : قال : الأميون قوم لم يصدقوا رسولاً أرسله الله ولا كتاباً أنزله الله ، فكتبوا بأيديهم ، ثم قالوا لقوم سفلة جهال : (هذا من عندالله) وقال : قد أخبر أنهم يكتبون بأيديهم ، ثم سماهم أميين لجحودهم كتب الله و رسوله" (۲۴)

اس رویت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امیین سے مراد وہ قوم ہے جو اپنی طرف آئے ہوئے رسول کی تصدیق کرے اور نہ ہی کتاب الٰہی کو تسلیم کرے بلکہ وہ قوم خود ہی اپنے ہاتھ سے کتاب لکھ لیتی پھر ان لوگوں کو جو جہالت کی اتھاہ گہرائیوں میں گرے ہوئے تھے کہتے کہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ کتاب ہے چنانچہ پھر ان کو امیین اس وجہ سے کہا جانے لگا وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی کتاب کو جھٹلاتے تھے۔ مگر حیران کن بات یہ ہے کہ علامہ طبری نے اس روایت کو درج کرنے کے بعد اس کو ضعیف لکھا۔

علامہ طبری لکھتے ہیں:

"و هذا التأويل على خلاف ما يعرف من كلام العرب المستفيض بينهم وذلك أن الأمي عندالعرب هو الذى لا يكتب" (۲۵)

چنانچہ اس گروہ کے دلائل، نصوص شرعیہ، لغت عرب اور خود عقلی طور پر بھی درست نہیں مانے جاسکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس گروہ نے ایک ضعیف روایت پر اعتماد کیا جب کہ اس کے بر عکس ٹھوس اور قطعی دلائل کو پس پشت ڈال دیا ہے کیونکہ "امیین" سے جب اہل مکہ مراد ہوں تو یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لوگ ''بے دین'' کے معنی لیتے ہیں اور جب نبی کریم ﷺ کو امی کہا جاتا ہے تو یہ گروہ اس کی تاویل کرتا ہے کہ چونکہ نبی کریم ﷺ ''بے دین'' لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے اس لیے آپ ﷺ کو ''امی'' کہا گیا ہے تو ان لوگوں نے دونوں جگہ ''امی'' کے مختلف معنی مراد لیے ہیں جو کہ خود یہ بات لغت کے مطابق درست نہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر صبحی صالح لکھتے ہیں کہ

''والواقع أن هذا الربط المضطرب بين "الأمّى" عند ما يوصف به النبى ﷺ و بين الأمّيين و صفا للعرب ليس من المنطق فى شئى ، لانه تجزئة لا مسوغ لها فى أصل اللغة ولا وحى السياق للفظ قرآنى واحد ينبغى لغيره بمعنى واحد لا بمعنيين متباينين ....فأما العرب ـــ بزعمهم ـــ منهم أميون لجهلهم الشريعة الالهية ، و أما النبى ﷺ فأمى نسبة إلى هؤلاء الجاهلين لتعليمه إيا هم شريعة الله ، فهو نبى هؤلاء الجاهلين أو نبى هؤلاء الاميين ، فهل بعد هذين التفسيرين من تناقض''(۲۶)

اب ان ادواۃ کتابت کا تحقیقی جائزہ لیا جاتا ہے جن کو تحریر قرآن کے وقت استعمال کیا گیا اور اس بات کا بھی جائزہ لیا جائے گا جن ادواۃ کتابت کا انتخاب عمل میں آیا،ان کی کیا خصوصیات تھیں؟

ادوات کتابت

قبل از اسلام جزیرۃ العرب میں کتابت کی موجودگی کے دلائل میں سے ایک دلیل وہ الفاظ ہیں جو اہل عرب نے اپنی لغت میں آلات کتابت اور ادوات کے لیے وضع کر رکھے تھے جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ وہ علم کتابت سے واقفیت رکھتے تھے کیونکہ اگر وہ کتابت کا علم نہ جانتے ہوتے تو ان کے ہاں اصطلاحات کتابت اور ادوات کتابت کے الفاظ مستعمل نہ ہوتے چنانچہ علامہ شکری آلوسی لکھتے ہیں:

''عربوں میں کتابت کی موجودگی کے دلائل میں سے ایک دلیل وہ الفاظ ہیں جو انہوں نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنی لغت میں آلات کتابت اور کتابت کے لیے وضع کر رکھے تھے۔ اگر وہ کتابت نہ جانتے ہوتے تو وہ ان الفاظ کو ان معانی کے لیے وضع نہ کرتے"۔(۲۷)

ادوات کتابت سے مراد یہ ہے کہ وہ سامان جو دور جاہلیت میں تحریر کے لیے استعمال ہوتا تھا چنانچہ ذیل میں ان ادوات کتابت کا بالاستیعاب جائزہ لیا جاتا ہے جو عرب معاشرہ میں مستعمل تھے۔ اور عرب معاشرہ میں جب کوئی تحریر لکھی جاتی تھی تو کس قسم کی اشیاء پر لکھی جاتی تھی ؟ اس طرح نزول قرآن کے وقت کون سے ادوات کتابت عرب میں مستعمل تھے؟ قرآن مجید کی تحریر کے بارے میں کس قسم کے اشارے ملتے ہیں کہ قرآن مجید کس قسم کی اشیاء پر لکھا گیا ؟ چنانچہ عرب معاشرے میں جن اشیاء پر تحریر لکھی جاتی تھی ان میں سے ایک جلد قسم کی اشیاء تھیں ۔ چنانچہ جلد قسم کی اشیاء میں "رق" "ادیم" اور "قضیم" وغیرہ شامل کرتے ہوئے ان کی وضاحت اور ان میں جو فرق ہے اس کو ذیل میں واضح کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

الف۔ رق

رق سے مراد جھلی اور کھال ہے جس کو دباغت کے بعد پتلا یا باریک کیا جاتا تھا اور پھر ہموار کر لیا جاتا تھا اس طرح اس کو لکھنے کے قابل بنایا جاتا تھا۔

عربوں کے اشعار میں جلد قسم کی اشیاء کا بطور ادوات کتابت استعمال کا تذکرہ ملتا ہے جیسا کہ طرفہ نے "رق" کے متعلق کہا ہے کہ

کسطور الرقّ رقّشه   بالضحی مرقش یشمه   (۲۸)

اور معقل بن خویلد الھذلی کا شعر ہے کہ

وإني كما قال مملي الكتاب   في الرق إذ خطه الكاتب   (۲۹)

درج بالا اشعار سے یہ بات ہمارے سامنے آتی ہے کہ رق کو بطور ادوات کتابت استعمال کیا جاتا تھا۔ قرآن مجید سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عرب معاشرے میں رق پر لکھنے کا کام لیا جاتا تھا۔ جیسا کہ مندرجہ بالا آیت سے واضح ہوتا ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

﴿والطور و کتاب مسطور فی رق منشور﴾(۳۰)

ب۔ ادیم

ادیم سے مراد ایسا سرخ چمڑا تھا جس کو دباغت کے بعد قابل تحریر بنایا جاتا تھا چنانچہ کھال کے بالوں کو تیز دھار چھریوں سے چھیل کر صاف کر دیا جاتا تھا۔ پھر اس کو جھانواں پتھر سے گھس کر خوب چکنا کیا جاتا تھا اور پھر اس پر لکھنے کا کام لیا جاتا تھا۔ درج ذیل شعر سے واضح ہے کہ ''أدیم'' بطور ادواۃ کتابت عرب میں مستعمل تھا۔

الدار وحش والرسوم کما رقش فی ظهر الادیم قلم (۳۲)

مرقش اکبر کے اس شعر سے یہ واضح ہورہا ہے کہ ادیم پر دورِ جاہلیت میں لکھا جاتا تھا۔ اس طرح صحابی رافع بن خدیج سے حدیث مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مدینہ شہر کے لیے جو حرمت کا حکم صادر فرمایا تھا تو یہ ہمارے (رافع بن خدیج) ''ادیم خولانی'' میں لکھی ہوئی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

''فإن المدینة حرام حرمها رسول الله ﷺ وهو مکتوب عندنا فی أدیم خولانی'' (۳۲)

ان سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ عہد نبوی ﷺ میں قرآن مجید بھی ''ادیم'' پر لکھا جاتا تھا۔ جیسا کہ درج ذیل روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

''قال عثمان : فاعزم الاکل رجل منکم کان معه من کتاب الله شئی لما جاء به وکان الرجل یجیء بالورقة والأدیم فیه القرآن'' (۳۳)

ج۔ قضیم

قضیم بھی کھال اور چمڑے کو کہتے ہیں جو سفید رنگ کا ہوتا تھا چنانچہ جب کھال کو تیز دھار چھریوں سے چھیل کر صاف کر لیا جاتا تھا تو پھر اس کو جھاواں پتھر سے گھس کر خوب چکنا کیا جاتا تھا۔ اور کھرا مٹی سے خوب پتائی کر کے نہایت سفید اور چمک دار بنا دیا جاتا تھا۔ چنانچہ اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر حروف کی کشید زیادہ نفیس اور خوبصورت ہوتی تھی۔ چنانچہ اس پر قبل از اسلام بھی لکھا جاتا تھا۔

امرؤ القیس کا شعر ہے:

و عادی عداء بین ثور و نعجة   و بین شبوب کالقضیة قرهب (۳۴)

اسی طرح زہیر بن ابی سلمیٰ کا شعر ہے:

کأن دماء المؤسدات بنحرها   أطبة صرف فی قضیم مسرد (۳۵)

ان اشعار سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قبل از اسلام قضیم کتابت کے کام آتا تھا۔

ظہور اسلام کے بعد قرآن مجید کی کتابت بھی قضیم پر ہوتی تھی۔

امام زہریؒ روایت کرتے ہیں:

''قبض رسول الله ﷺ و القرآن فی العسب و القضیم و الکرانیف''(۳۶)

''نبی کریم ﷺ کے رحلت فرمانے کے وقت قرآن مجید عسب، قضیم اور کرانیف میں محفوظ تھا''

نباتات

نباتات قسم کی وہ اشیاء جن پر عرب معاشرہ میں کوئی تحریر لکھی جاتی تھی، حسب ذیل ہیں۔

الف۔ عسیب

نزولِ قرآن کے وقت جن اشیاء پر کتابت کی جاتی تھی ان میں سے ایک عسیب ہے۔ جس کا ترجمہ عام طور پر کھجور کے پتوں سے کیا جاتا ہے جو لغت عرب کے مطابق نہیں ہے بلکہ عسیب سے مراد کھجور کی شاخ کا وہ حصہ جس پر سے پتے اتار دیئے گئے ہوں اور کھجور کے پتوں کو عربی میں عسیب نہیں بلکہ ''خوص'' کہتے ہیں۔ علامہ قلقشندی لکھتے ہیں:

''عسب النخل و هی الجرید الذی لا خوص علیه''(۳۷)

ب۔ کرنافة

کرنافة جس کی جمع کرانیف ہے۔ کھجور کی شاخ کو کاٹ لینے کے بعد وہ حصہ جو تنے سے متصل رہتا ہے جس کو دوسرے لفظوں میں شاخ کی جڑ بھی کہا جا سکتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ابن منظور کرنافتہ کے متعلق لکھتے ہیں:

''کرنف: اصول الکرب التی تبقی فی جذع السعرف، و ما قطع من السعف فھو الکرب قال ابن سیدہ: الکرنافۃ و الکرنافۃ و الکرنوفۃ أصل السعفۃ الغلیظ الملتزق بجذع النخلۃ، و قیل: الکرانیف أصول السعف الغلاظ العراض التی اذا یبست صارت أمثال الأکتاف''(۳۸)

قرآن مجید کی کتابت عسیب اور کرنافتہ دونوں پر ہوتی تھی روایات میں آتا ہے:

''و قد ورد أن الوحی کان یکتب علی عہد رسول اللہ ﷺ علی العسب والکرانیف''(۳۹)

عظام

عظام سے مراد ہڈیاں ہیں جو عظم کی جمع ہیں۔عظام میں درج ذیل اشیاء شامل ہوتی تھیں۔

الف۔ کتف

''کتف'' سے مراد اونٹ کے شانے کی ہڈی ہے جب کہ اضلاع سے مراد اونٹ کی پسلی کی ہڈی ہے۔عہد رسالت میں ان دونوں پر وحی کی کتابت ہوتی تھی۔حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت ہے:

''فجعلت أتتبع القرآن من صدور الرجل و من الرقاع و من الاضلاع''(۴۰)

اسی طرح زید بن ثابتؓ سے ایک روایت ہے کہ جس میں وہ فرماتے ہیں کہ جب سورۃ النساء کی آیت نمبر (۹۵) نازل ہوئی تو اس کو ضبط تحریر میں لانے کے لیے نبی کریم ﷺ نے مجھے ''کتف'' لانے کو فرمایا۔

''لما نزلت ھذہ الآیۃ ﴿لا یستوی القاعدون من المؤمنین﴾ دعا رسول اللہ ﷺ بالکتف، و دعانی، وقال: أکتب ....''(۴۱)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی طرح کی روایت عبدالرحمٰن بن ابو بکرؓ سے بھی مروی ہے:

"یروی ان رسول الله ﷺ لما ثقل دعا عبدالرحمن بن ابی بکرؓ فقال: ائتنی بکتف حتی اکتب لابی کتاب لا یختلف علیه" (۴۲)

اہل عرب کے ہاں ہڈیوں پر لکھنے کا رواج ادوات کتابت کی کمیابی کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اس لیے کہ اس پر لکھی ہوئی تحریر کو زیادہ دیر تک محفوظ رکھا جا سکتا تھا اور اپنی پائداری میں بھی بے مثل تھیں یہی وجہ ہے کہ عرب میں کاغذ پہنچنے کے بعد بھی عہد بنو عباسؓ تک ہڈیوں پر لکھا جاتا رہا چنانچہ امام شافعیؒ بھی احادیث و مسائل فقہ ہڈیوں پر لکھا کرتے تھے۔ ابن ابی حاتم فرماتے ہیں:

"قال الشافعي ......فكنت اجالس العلماء و أحفظ الحديث أو المسألة، و كان منزلنا بمكة في شعب الخيف، و كنت أنظر إلى العظم يلوح، فأكتب فيه الحديث أو المسألة و كانت لنا جرة قديمة فاذا إمتلأ العظم طرحته في الجرة" (۴۳)

اسی طرح ایک اور روایت میں امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں عظام اور اکتاف پر لکھا کرتا تھا:

"كذالك: طلبت هذاالأمر عن خفة ذات يد، كنت أجالس العلماء و أتحفظ، ثم اشتهيت أن أدونه و كان لنا منزل بقرب شعب الخيف، و كنت آخذ العظام والأكتاف كتب فيها، حتى أمتلأ في دارنا من زلك حبان" (۴۴)

۴۔ حجار

"حجار" حجر کی جمع ہے، جس کے معنی پتھر کے ہیں۔ اس کی ایک قسم "لخاف" ہے۔ عہد نبوی ﷺ میں جن اشیاء پر وحی الٰہی لکھی جاتی تھی ان میں سے ایک "لخاف" بھی تھا یہ ایک قسم کی سفید پتھر کی تختی ہوتی تھی۔ ابن الندیم لکھتے ہیں:

"وهى الحجارة الرقاق البيض" (۴۵)

زید بن ثابتؓ سے مروی ہے کہ مجھے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے عہد خلافت میں قرآن مجید

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جمع کرنے کا حکم دیا تو میں نے قرآن کو کھجور کی ٹہنیوں اور پتھروں کی پتلی تختیوں سے جمع کیا۔

''قال زید بن ثابتؓ حینما أمره ابو بکرؓ أن یجمع القرآن فجعلت أتتبعه من الرقاع والعسب واللخاف''(۴۶)

مصحف

مصحف کا لفظ صحیفہ سے ہے، صحیفہ کے معنی پھیلی ہوئی چیز کے ہوتے ہیں جیسا کہ امام راغب نے لکھا ہے کہ صحیفہ الوجہ (چہرے کا پھیلاؤ) اور وہ چیز جس پر لکھا جاتا ہے اسے بھی صحیفہ کہتے ہیں اس کی جمع صحائف اور صحف دونوں طرح آتی ہے۔ علامہ ناصر الدین الاسد صحیفہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''و إنما هی لفظ قد تدل علی أی من هذه الانواع : فقد تکون جلداً أو قماشاً أو نباتاً أو حجراً أو عظماً أو ورقاً''(۴۷)

قرآن مجید میں یہ لفظ کم وبیش آٹھ مرتبہ آیا ہے اور تمام جگہ صحیفہ کی جمع صحف کے ساتھ آیا ہے۔ علامہ شکری آلوسیؒ نے مصحف کے بارے میں نہایت عمدہ بحث کی ہے جو حسب ذیل ہے۔

''مصحف کو مصحف اس لیے کہا جاتا ہے کہ اسے ان صحیفوں کا جامع بنا دیا جاتا ہے جو دفتین ہوتے ہیں۔ مصحف کا ''دعاء'' اور غلاف ہوتا ہے اور اس غلاف میں دو کاج ہوتے ہیں۔ جس سے اسے لٹکایا جاتا ہے اسے ''معلاق'' کہتے۔ اس میں ''فلوک'' ہوتے ہیں جس کا مفرد فک ہے جو کاغذ کو دونوں طرف سے ڈھانپ دے اور ''علاوۃ'' جو اوپر سے (ڈھانپ دے)۔ حلق کا مفرد ''حلقہ'' ہے حلقوں میں ''ذوائب'' ہوتے ہیں اور ذوائب ان تسموں کو کہتے ہیں جو کناروں پر ہوتے ہیں۔ ''اشراح'' جس کا مفرد ''شرح'' ہے اس سے مراد وہ تسمہ ہے جسے حلقوں کی نچلی جانب گوندھ دیا گیا ہو۔ ''ترشیع'' ایک خاص طرز میں تسمے کو گوندھنا اور مصحف میں ''مخازر'' ہوتے ہیں مخازران جگہوں کو کہتے ہیں جہاں سے اسے سیا جاتا ہے اور مصحف کے ''اذان (کان) ہوتے ہیں اور دونوں جانب کے تختوں (یا گتوں)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں مسامیر ''میخیں'' ہوتی ہیں''۔(۴۸)

ورق

عرب معاشرے میں قبل از اسلام ''ورق'' پر کتابت کی جاتی تھی۔ یہ واضح رہے کہ عرب میں جو ورق مستعمل تھا وہ آج کل کے ورق جیسا نہ تھا۔ ہمارے روز مرہ استعمال میں رہنے والا ورق جس کو ہم کاغذ سے تعبیر کرتے ہیں یہ قبل از اسلام اور نزول قرآن مجید کے وقت موجود نہ تھا اس کاغذ کو سب سے پہلے چینیوں نے بنایا تھا مگر اس کاغذ سے اہل عرب عہد بنوامیہ میں متعارف ہوئے۔ بلکہ عرب معاشرے میں ادواۃ کتابت کے طور پر استعمال ہونے والے ''ورق'' سے مراد ''ورق بردی'' ہے جس کو انگریزی میں پپائرس کہتے ہیں۔ آگے بڑھنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پپائرس (Papyrus) کی بناوٹ کے بارے میں جان لیا جائے۔

''ورق بردی'' جس کو انگریزی میں ''پپائرس'' (Papyrus) کہتے ہیں یہ ایک پودے کا نام تھا جو دریائے نیل کے کنارے کثرت سے ہوتا تھا اس کو ڈنٹھل یا قتلوں کی صورت میں کاٹ کر اوپر نیچے آڑا ترچھا رکھ دیا جاتا تھا اور بھاری وزن کے دباؤ سے تیار شدہ چادر کی سطح کو برابر اور ہموار کیا جاتا تھا اس کے بعد دھوپ میں خشک کر کے جھانواں پتھر یا ہاتھی دانت سے اس کی گھسائی یا رگڑائی کی جاتی تھی۔ گیہوں کے میدہ، پانی اور سرکے سے تیار کیے ہوئے مرکب سے ان پر گاڑھی لیس دار تپائی کی جاتی تھی جس کے خشک ہو جانے کے بعد اس کی دوبارہ خوب اچھی طرح رگڑائی یا گھسائی کی جاتی تھی تب اس کی سطح نہایت ہموار مضبوط، چکنی، اور چمکدار ہو جاتی تھی اور لچک دار بھی ہوتی تھی جس کے بعد اس پر خوبصورت لکھائی کی جاتی تھی۔

عمدہ قسم کے پپائرس کا لچک دار پن اور اس کی آب و تاب طویل زمانے تک رہتی تھی کہ پانچ ہزار سال گزر جانے کے باوجود آج بھی بہت سے عجائب گھروں میں محفوظ ہیں بلکہ ان میں ابھی تک لچک اور چمک باقی ہے جس کے بعض نسخے انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پپائرس کی یہ پٹیاں عام طور پر چھ سات انچ چوڑی اور کم از کم ایک فٹ لمبی ہوتی تھیں بعض اوقات یہ چالیس گز بھی لمبی ہوتی تھیں۔ معمولی قسم میں زردی مائل اور اعلیٰ قسم میں سفید چمک دار ہوتی تھیں ان تیار شدہ پیٹیوں کو بقدر طوالتِ مضمون یا ضخامت کتابت باہم سلائی کر کے یا گوند سے جوڑ کر طویل کر لیا جاتا تھا اور چٹائی کی طرح لپیٹ کر پلندے بنا لیے جاتے تھے۔ جن کو استوانہ نما ملفوفہ (Scroll) کہتے ہیں انگریز محقق وِل ڈیورانٹ (Will Durant) پپائرس کی بناوٹ کے بارے میں لکھتے ہیں:

" The stem of the Papyrus plant was cut into strips other were placed crosswise upon these, the sheet was pressed, and paper, the very stuff (and nonsense) of civilazation, was made. How well they made it may be judged from the fact that mnuscripts written by them. Five thousands years ago are still intact and slegible sheets were combined into books by gumming the right edge of the sheet to the left edge of the next in this way, rolls were produced which were some times forty yards in length" (49)

ورق بردی کی جہاں مصر میں صنعت تھی وہاں شام میں بھی ورق بردی کی صنعت تھی۔ (۵۰) چنانچہ فلپ ہٹی (P.K.Hitti) پپائرس کے متعلق لکھتے ہیں:

" Alexandria supplied the world with Papyrus. From Egypt this writing material was introduced into Syria occasional references to Papyrus growing there are

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

not lacking" (50)

''اسکندریہ (مصر) نے دنیا کے لیے پپائرس مہیا کیا...... ایسے اشارے ملتے ہیں کہ وہاں (شام میں) پپائرس پیدا ہونے لگا تھا ''

عرب میں پپائرس مصر اور شام سے تجارت کے ذریعے پہنچا تھا یا عرب میں جو سال کے مختلف اوقات میں میلے ٹھیلے لگتے تھے ان میلوں کے ذریعے پہنچتا تھا۔ جیسا کہ علامہ مرزوقی کے بیان سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان میلوں میں بلاد مصر و شام، یمن و عراق کے باشندے اپنے ملکوں کی مشہور مصنوعات لے کر فروخت کی غرض سے آتے تھے۔

''فلما دخلت سنة خمس و ثلاثین من عام الفیل و ذلک قبل المبعث بخمس سنین حضر السوق من بزاز و الیمن . ما لم یرو ا أنه حضر مثله فی سائر السنین فباع الناس ما کان معهم من إبل و بقر و نقد و إبتاعوا أمتعة مصر ، والشام والعراق''(۵۱)

ایسے آثار و قرائن بھی ملتے ہیں کہ ''ورق بردی'' (Papyrus) خود عرب میں پیدا ہوتا تھا جیسا کہ یہ بات اعشیٰ کے درج ذیل شعر سے واضح ہوتی ہے جس میں وہ ورق بردی (جس کو مختصراً ''بردی'' بھی کہا جاتا ہے) کا ذکر بطور ''نبات'' کے کرتا ہے۔

کبردیة الغیل وسط الغریف قد خالط الماء منها السریر (۵۲)

اگر عرب کے قبل از اسلام اور عہد نبوی ﷺ کے ادب (Literature) کا بنظر عمیق مطالعہ کیا جائے، تو ہمیں ایسے اشعار و اقوال ملتے ہیں جن میں ورق کا بطور اداۃ کتابت کے ذکر کیا گیا ہے۔ اسی طرح حسب ذیل روایت میں ورق اور ادیم میں واضح فرق نظر آ رہا ہے کہ حضرت عثمان ؓ نے فرمایا کہ ہر وہ شخص جس کے پاس قرآن کا کوئی حصہ لکھا ہوا ہے وہ اس کو ان کے پاس لے آئے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور لوگ ورق اور ادیم کے ساتھ حضرت عثمان ؓ کے پاس پہنچے، جن میں قرآن لکھا ہوا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''وكان الرجل يجيء بالورقة والأديم فيه القرآن''(۵۳)

دوسری روایت جس سے ہمیں ورق کے بطور اداۃ کتابت کے مستعمل ہونے کا پتہ چلتا ہے یہ ہے کہ عمرو بن نافع مولی عمر بن خطاب فرماتے ہیں کہ میں ازواج النبی ﷺ کے عہد میں مصاحف کی کتابت کیا کرتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت حفصہ بنت عمرؓ نے مجھ (عمرو بن نافع) سے مصحف لکھوانا چاہا تو میں ان کے پاس ورق اور کتاب اٹھائے ہوئے پہنچا۔

''كنت اكتب المصاحف في عهد ازواج النبي ﷺ فاستكتبتني حفصة بنت عمرؓ مصحفا لها ......فلما بلغت إليها حملتا الورقة والدواة''(۵۴)

حسان بن ثابتؓ کا شعر ہے جس میں وہ ورق پر کتابت کے بارے میں بتاتے ہیں۔

عرفت ديار زينب بالكثيب كخط الوحي في الورق القشيب (۵۵)

''میں نے ریت کے ٹیلوں کے پاس زینب کے گھر کو پہچان لیا جس طرح پرانے ورق پر لکھی ہوئی کتاب کی لکھائی کو پہچانا جاتا ہے''

درج بالا شواہد کی بنا پر ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ عرب معاشرہ میں ورق بردی (پپائرس) پر کتابت کی جاتی تھی اور یہ بات درست نہیں کہ عرب میں پپائرس موجود نہیں تھا۔

المعافی ابن ابی الیسار قرآن مجید میں استعمال ہونے والے لفظ ''قرطاس'' کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس سے مراد ''ورق بردی'' ہے جو مصر سے عرب پہنچتا تھا۔

''قال المعافي بن ابي اليسار : القرطاس كاغذ يتخذ من بردي مصر''(۵۶)

ابن ندیم قرطاس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس سے مراد مصری ورق بردی ہے۔

''ورق البردي القرطاس المصري الطومار المصري''(۵۷)

علامہ زبیدی ''تاج العروس'' میں لفظ قرطاس کے تحت فارابی اور ابو علیاء کے اقوال نقل کرتے ہیں کہ ان کی رائے میں قرطاس سے مراد ورق بردی ہے جو مصر سے آتا تھا۔

''وحكى الفارابي و ابوعلياء مثل درهم ، هكذا قيداه، و هو الكاغذ يتخذ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

من بردی یکون بمصر''

آگے چل کر علامہ زبیدی اپنی رائے بھی یہی لکھتے ہیں۔

''والقرطاس : برد مصری ، أی نوع من برد مصر''(۵۸)

گویا کہ قرطاس سے مراد بردی ہے جو مصر وغیرہ سے عرب پہنچتا تھا اور بطور اداۃ کتابت عرب معاشرہ میں مستعمل تھا۔ مگر لفظ قرطاس کو اگر عرب کی روشنی میں دیکھا جائے تو قرطاس ہر اس ٹکڑے کو کہتے ہیں جس پر لکھا جائے چنانچہ لفظ قرطاس اپنے معنی میں عام ہوا جبکہ ''ورق بردی'' خاص ہے اس رائے کی تائید ناصر الدین الاسد سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

''فالقرطاس ، فی رأینا ، کلمة عامة تطلق علی کثیر من مواد الکتابة و منها ورق البردی''(۵۹)

چنانچہ کلام عرب میں ایسی بے شمار مثالیں ہیں جن میں ''قرطاس'' ورق بردی کے معنی میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ طرفہ بن العبد کے شعر سے یہ بات واضح ہوتی ہے جس میں وہ اپنے اونٹ کے گالوں کی تشبیہ شامی قرطاس سے دیتا ہے۔

و خد کقرطاس الشامی و مشفر   کسبت الیمانی قده لم یجرد (۶۰)

چنانچہ ابوزید ''جمھرۃ اشعار العرب'' میں اس شعر کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ اس میں طرفہ بن عبد نے جو اپنی ناقہ (اونٹنی) کے گال کی تشبیہ قرطاس سے دی ہے تو اس قرطاس سے مراد وہ ورق ہے جو شام سے عرب میں آیا کرتا تھا۔

''شبه خدها بالقرطاس و هو الورق من جهة الشام''(۶۱)

درج بالا مفصل اور مدلل بحث کے بعد بآسانی اس نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں کہ عرب میں پاپئرس یا ورق بردی بطور اداۃ کتابت مستعمل تھا اور اس بات کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں کہ اہل عرب علم کتابت سے ناآشنا تھے اور وہاں پپائرس وغیرہ مستعمل نہ تھا۔

اداۃ کتابت، موضوعات کتابت اور جغرافیائی احوال کا مفصل جائزہ لینے کے بعد یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بات واضح ہو چکی ہے کہ اہل عرب بالخصوص حجاز کے لوگ تعلیم و تعلم اور علم کتابت سے بالکل نا آشنا نہیں تھے۔

قبل از اسلام کے احوال کے بارے میں ناقص معلومات اور کم علمی کی بنا پر عام طور پر کہہ دیا جاتا ہے کہ اہل عرب علم کتابت سے بالکل نا آشنا تھے اور اسی وجہ سے قرآن کی کتابت کے بارے میں غلط فہمی عوام میں پھیل گئی ہے کہ کتابت قرآن کے لیے کوئی خاص اہتمام نہیں کیا گیا تھا بلکہ ایسے ہی معمولی نوعیت کی چیزوں جیسے درختوں کے پتے ان کی شاخیں، ہڈیوں وغیرہ پر لکھ لیا جاتا تھا۔ پھر اسی بات کو مستشرقین (Orientalists) دلیل بنا کر قرآن کی حقانیت پر قلم اٹھانے لگے کہ نزولِ قرآن کے وقت اہل عرب کا علم کتابت سے نا آشنا ہونے کی بنا پر قرآن مجید کی کتابت کے بارے میں بے توجہی برتی گئی اور حفاظت قرآن بذریعہ کتابت کے لیے کوئی خاص اہتمام نہیں کیا گیا اور قرآن مجید کو نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد جمع کیا گیا جس طرح انجیل (New Testament) کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے ایک عرصہ دراز کے بعد جمع کیا گیا تھا۔

حالانکہ قرآن کی کتابت میں استعمال ہونے والی اشیاء کا اگر بنظر عمیق اور عرب کے معاشرتی پس منظر میں جائزہ لیا جائے تو انسان انگشت بدنداں رہ جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نزول قرآن کے وقت قرآن مجید کی کتابت کا کس قدر اہتمام کیا۔

چنانچہ قرآن کی کتابت میں استعمال ہونے والے لخاف سے مراد کوئی عام سا گرا پڑا پتھر لے لیا جاتا ہے حالانکہ سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا کسی عام سے پتھر پر کتابت کی جا سکتی ہے؟ عقل انسانی یقیناً اس کے بر خلاف فیصلہ دے گی یہی وجہ ہے کہ لخاف سے مراد کوئی معمولی پتھر نہیں بلکہ پتھر کو کاٹ کر جو تختیاں بنائی جاتی ہیں وہ مراد ہیں جیسا کہ ابن ندیم نے لکھا ہے:

”وھی الحجارۃ الرقاق البیض“ (٦٢)

یعنی لخاف سے مراد پتھر کی وہ تختیاں جو پتلی اور سفید رنگ کی گھڑی ہوئی ہوں اس کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مثال ایسے ہی ہے جیسے آج کے دور میں سنگ مرمر کی تراش وخراش کے بعد جو پتلی خوبصورت تختیاں بنائی جاتی ہیں اسی طرح یہ تختیاں ہمارے مدارس کے نظام میں چند سال پہلے تک بطور سلیٹ کے استعمال ہوتی رہی ہیں ۔تو کیا ایسی تختیوں پر کی ہوئی کتابت عام سے پتھر پر کوئی عام سی کتابت ہوگی؟ یقیناً پتھر کی ایسی تختی پر لکھی ہوئی تحریر اپنی دیر پائی اور مضبوطی میں ضرب المثل ہے۔

اسی طرح چمڑا قسم کی چیزیں جن پر وحی الٰہی کی کتابت کی جاتی تھی ان میں ''رق'' اور ''قضیم'' اور ''ادیم'' شامل ہیں چنانچہ ان کے تراجم میں بھی بے اعتنائی برتی گئی اور اس سے مراد کوئی عام سا گرا پڑا چمڑا لے لیا جاتا ہے حالانکہ عرب کے معاشرتی پس منظر میں اگر ان اصلاحات کتابت کا جائزہ لیا جائے تو ان سے مراد کوئی عام قسم کی کھال نہ تھی بلکہ دباغت دینے کے بعد جو کھال بہترین چمڑے کی صورت اختیار کر لیتی ہے وہ مراد ہے اور عرب معاشرہ خود ایک گوشت خور معاشرہ تھا جس کی وجہ سے وہاں چمڑے کی بہتات تھی اور حیرانی کی بات یہ ہے کہ عرب کے بعض شہر ایسے تھے جہاں دباغت کے کارخانے قائم تھے جیسا کہ طائف ویمن جو کہ حجاز میں واقع تھے اور وہاں کثرت دباغت کی وجہ سے ان کا نام ہی بلد الدباغ پڑ گیا ۔جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

''الطائف مدينة جاهلية و هي بلد الدباغ''(۶۳)

اسی طرح ہمیں یمن کے بارے میں ملتا ہے کہ وہاں دباغت کے کارخانے قائم تھے۔ رق، ادیم، قضیم کوئی معمولی قسم کے ادواۃ کتابت نہ تھے بلکہ مصر کے مشہور اداۃ کتابت پپائرس سے بھی اپنی مضبوطی اور پائیداری میں بڑھے ہوئے تھے جیسا کہ شایان قدوائی لکھتے ہیں کہ کھال کو دباغت دینے کا یہ طریقہ تھا کہ

''کھال کے بالوں کو تیز دھار چھریوں سے چھیل کر صاف کر دیا جاتا پھر ان کو جھانوہ اں پتھر سے گھس کر خوب چکنا کیا جاتا تھا اور پھر کھریا مٹی کی تپائی کر کے نہایت سفید اور چمک دار بنا دیا جاتا تھا یہ پپائرس کے مقابلے میں زیادہ مضبوط اور لکھائی کے لیے نہایت اعلیٰ چیز تھی''(۶۴)

چنانچہ ان کی مضبوطی اور پائیداری کی ہی وجہ سے وحی الٰہی کو ضبط تحریر میں لانے کے لیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چرمی پارچوں کا انتخاب کیا گیا تھا جیسا کہ علامہ قلقشندی لکھتے ہیں کہ تمام صحابہ کرامؓ کا اس بات پر اجماع ہے کہ کتابت وحی کے لیے چرمی پارچوں بالخصوص ''رق'' کا انتخاب ان کی دیرپائی اور مضبوطی کی وجہ سے کیا گیا تھا۔

''و أجمع رأى الصحابةؓ على كتابة القرآن فى الرق لطول بقاءه''(۶۵)

چرمی پارچوں کی مضبوطی کی زندہ مثال لاہور میوزیم میں موجود قرآن مجید کے اس نسخے کو دیکھ سکتے ہیں جو ہرن کی کھال پر حضرت حسینؓ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ ڈاکٹر انجم لکھتے ہیں:

''لاہور عجائب گھر کے ذخیرہ میں کوفی قرآنی نسخوں کے صرف دو نمونے موجود ہیں پہلا نمونہ نسخہ (C-30) چار قرآنی صفحات ہیں جو ہرن کی کھال کے تین اوراق ہیں۔ حضرت حسینؓ سے منسوب یہ متن کالی روشنائی سے لکھا گیا ہے''(۶۶)

جاہلی شاعر مرقش الاکبر (عمرو بن سعد بن ملک) کے درج ذیل شعر سے بھی چمڑے پر لکھی ہوئی تحریر کی مضبوطی ظاہر ہو رہی ہے۔

الديار قفر و الرسوم كما   رقش فى ظهر الاديم قلم (۶۷)

''یعنی محبوبہ کی نگری ایسی اجاڑ پڑی ہوئی ہے اور اس کے نشانات اس طرح دکھائی دے رہے ہیں کہ جیسے ادیم (چمڑا) پر قلم سے حسین نقش و نگار بنائے گئے ہوں''

درج بالا دلائل کی روشنی میں چرمی کی مضبوطی اور دیرپائی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

عہد نبویﷺ میں مختلف طول وعرض کے چرمی پارچوں کا رواج تھا جن میں سے بعض چار انگلی اور ایک بالشت لمبے ہوتے تھے جیسا کہ مالک بن احمر کے تذکرہ میں یہ بات ملتی ہے۔ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

''مالك بن احمر ......سكن الشام . فذكر ان ابن شاهين أخرج بسنده عنـدأنه لـمـا بلغهم مقدم النبى ﷺ تبوك و فد إليه مالك بن احمر فأسلم وسأله أن يكتب له كتابا يدعوه إلى الاسلام فكتب له رقعة من أدم .....فأخرج

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

له رقعة من أدم عرضها أربعة أصابع و طولها قدر شبر و قد انما ح ما فيها''

فقرأ على أيوب۔

''بسم الله الرحمن الرحيم هذا كتاب من محمد بن عبدالله رسول الله ﷺ

إلنى ابن احمر و من تبعة من المسلمين أمان لهم ما أقاموا الصلوة و اتوا

الزكوة و أدوا الخمس من المغنم و خالفوا المشركين''(۶۸)

گویا ادیم کے درج بالا سائز پر مکمل سورۃ فاتحہ بھی بآسانی لکھی جا سکتی تھی۔

عہد نبوی ﷺ میں ایک اور اہم چیز جس پر کتابت کی جاتی تھی وہ عسیب اور کرنافہ تھا۔ جن کا ترجمہ عام طور پر غلط فہمی کی بناء پر کھجور کے پتوں سے کر دیا جاتا ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ بھلا کھجور کے پتوں پر اتنی گنجائش ہی کہاں ہوتی ہے کہ ان پر کتابت کی جا سکتی۔ حالانکہ کھجور کے پتوں کے لیے عربی لغت میں ''خوص'' کا لفظ مستعمل ہے۔ چنانچہ عسیب، خوص، کرنافہ تینوں الگ الگ چیزیں ہیں اور تینوں کھجور کی شاخ کے مختلف حصے ہیں۔ خوص کھجور کے پتوں کو کہتے ہیں اور اگر کھجور کی شاخ سے پتے اتار دیئے جائیں تو یہ عسیب کہلائے گی۔ کھجور کی شاخوں کو جب اس کے تنے سے کاٹ لیا جاتا ہے اور شاخ کا جو باقی حصہ تنے سے متصل رہتا ہے اس کو کرنافہ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے سامنے بھی خوص، عسیب، اور کرنافہ کا فرق واضح نہ تھا اور انہوں نے کرنافہ سے عسیب مراد لیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''عسیب کھجور کی شاخ کو نہیں بلکہ پام قسم کے تمام درختوں کا وہ حصہ جو تنے سے متصل ہوتا ہے اس میں کافی کشادگی پیدا ہو جاتی ہے''(۶۹)

مناظر صاحب جس کو ''کشادگی'' والا حصہ کہہ رہے ہیں وہ دراصل کرنافہ کہلاتا ہے۔

موجودہ دور میں ایک کرنافہ عام طور پر آٹھ سے نو انچ اور نو سے دس انچ لمبا ہوتا ہے اور ایک سے دو انچ موٹا ہوتا ہے گویا کہ وہ ایک مضبوط قسم کی لکڑی کی تختی ہے، جس کی سطح نہایت ملائم اور شفاف ہوتی ہے اور اس پر بآسانی کوئی چیز تحریر کی جا سکتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس شخص کے سامنے عرب میں مستعمل ادواۃ کتابت کے بارے میں درج بالا معلومات نہ ہوں تو ان کا عام قسم کے پتھروں اور پتوں وغیرہ ہی سے کرے گا گویا کہ یہ اس کی معلومات کا نقص ہے نہ کہ نزولِ قرآن کے وقت نبی کریم ﷺ سے قرآن مجید کی کتابت کروانے میں کوئی نقص رہ گیا تھا۔

گذشتہ بحث کو ذہن میں رکھتے ہوئے کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ عہدِ نبوی ﷺ میں کتابتِ قرآن کے بارے میں بے توجہی برتی گئی اور نبی اکرم ﷺ نے کتابت قرآن کا باقاعدہ اہتمام نہیں کروایا تھا؟

مختصراً یہ کہ قرآنِ مجید کی کتابت کا عمل نہایت احتیاط سے سرانجام پایا اور تحریرِ قرآن کے وقت جن ادواۃ کا استعمال کیا گیا وہ پائیداری اور مضبوطی میں اپنے دور میں ضرب المثل تھے۔ اس طریقے سے قرآنِ مجید جس کو قیامت تک کے لیے چراغِ ہدایت بننا تھا بطریقِ احسن محفوظ کرنے کے اقدامات کیے گئے۔ یہ بات واضح رہے کہ قرآن مجید کی حفاظت کا یہ ایک پہلو تھا جس کو گذشتہ صفحات میں بیان کیا گیا اس کے علاوہ حفظ اور تعلیم قرآن کے ذریعے سے بھی اس کتابِ الٰہی کی حفاظت کا سامان بہم پہنچایا گیا جس کا سلسلہ عہد نبوی ﷺ سے آج تک تواتر کے ساتھ دنیا کے اطراف و اکناف میں قائم و دائم ہے۔ اس طرح کتابِ الٰہی کی حفاظت کے لیے وہ تمام طریقے عمل میں لائے گئے جو اس جہان فانی میں ممکن ہو سکتے تھے اور جن سے دیگر کتب سماوی محروم ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حوالہ جات

۱۔ سلیمان، سید، ندوی، تاریخ ارض القرآن، ۵۲/۱، قرآن محل کراچی، ۱۹۹۵ء

۲۔ الحجر/۷۹

۳۔ الصافات/۱۳۷

۴۔ بائبل، باب پیدائش، باب ۳۷، آیت: ۲۸-۲۵، بائبل سوسائٹی لاہور پاکستان، ۱۹۹۵ء

۵۔ Duran, Will our Oriental Heritage, P-171, Cambridge University Press: 1981

۶۔ البلاذری، احمد بن یحیٰ، فتوح البلدان، ۶۶۰/۲، دار النشر للجامعین، ۱۹۵۷ء

۷۔ البلاذری، احمد بن یحیٰ، فتوح البلدان، ۴۱۰/۲

۸۔ ابن حبیب، محمد، المحبر، دائرہ المعارف العثمانیہ، ص ۴۷۵، حیدر آباد، دکن، ۱۹۴۲ء،

۹۔ جاحظ، عمر بن بحر، البیان والتبیین، ۷۶/۴، مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۹۴۸ء

۱۰۔ اصفہانی، علی بن الحسین، الاغانی، ۱۰۱/۲، دار الکتب، ۱۹۶۲ء

۱۱۔ اصفہانی، علی بن الحسین، الاغانی، ۱۲۰/۲

۱۲۔ المرزوقی، احمد بن محمد، کتاب الأزمنہ والأمکنہ، ص ۳۸۷، دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۴ء

۱۳۔ البلاذری، احمد بن یحیٰ، فتوح البلدان، ص ۶۶۳

۱۴۔ البقرۃ/۷۹

۱۵۔ ھمدانی، الحسن بن احمد، صفۃ جزیرۃ العرب، ص ۱۲۰، بریل، ۱۹۰۲ء

۱۶۔ ابن فارس، احمد، الصاحبی فی اللغۃ، ص ۲۸، دار احیاء التراث العربی، ۱۹۷۸ء

۱۷۔ الصاحبی فی اللغۃ، ص ۲۸

۱۸۔ مقدسی، احسن التقاسیم، ص ۹۹، مطبعۃ مدینۃ لیدن، ۱۹۰۶ء

۱۹۔ الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الرسل والملوک، ۲۰/۴، دار احیاء التراث العربی، ۱۹۸۸ء

۲۰۔ حموی، یاقوت بن عبداللہ، معجم البلدان، ۲۲۸/۲، دار صادر مصر، ۱۹۸۸ء

۲۱۔ الاسد، ناصر الدین، مصادر الشعر الجاہلی، ص ۶۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۲۔ الاحزاب/۳۳
۲۳۔ گیلانی، مناظر احسن، تدوین حدیث، ص ۳۱، مکتبہ اسحاقیہ، کراچی، ۱۹۸۸ء
۲۴۔ الطبری، محمد بن جریر، جامع البیان، ۱/۵۶۸، دار الفکر، بیروت، ۱۹۸۸
۲۵۔ ایضاً
۲۶۔ صالح صبحی، علوم الحدیث و مصطلحہ، ص ۱۵۔۱۶، مطبعۃ جامعۃ دمشق، ۱۹۶۳ء
۲۷۔ آلوسی، محمود شکری، بلوغ الارب، (مترجم محمد حسن)، ۱/۵۳۳، مرکزی اردو بورڈ لاہور، ۱۹۶۷ء
۲۸۔ طرفۃ بن عبد، دیوان، ۳/۰۷، مکتبہ صادر بیروت، ۱۹۵۵ء
۲۹۔ ہذیل، دیوان الھذلیین، ۳/۰۷، دار الکتب بیروت، ۱۹۵۲ء
۳۰۔ الطّور/۱۔۳
۳۱۔ جاحظ، عمر بن بحر، البیان والتبیین، ۱/۷۵
۳۲۔ ابن حنبل، امام احمد، مسند، ۴/۱۴۱، دار احیاء التراث العربی، ۱۹۹۴ء
۳۳۔ ابن ابی داؤد، عبداللہ بن سلیمان السجستانی، کتاب المصاحف، ص ۲۳۔۲۴، المطبعۃ الرحمانیہ، ۱۹۳۶ء
۳۴۔ امرؤ القیس، دیوان، ص ۶۸
۳۵۔ زھیر بن ابی سلمیٰ، دیوان، ص ۲۳۱، مکتبہ صادر بیروت، ۱۹۵۳ء
۳۶۔ الزمخشری، جار اللہ محمود بن عمر، الفائق، ۲/۴۸۶، القاہرۃ التراث العربی، ۱۹۶۲ء
۳۷۔ القلقشندی، احمد بن علی، صبح الاعشیٰ، دار احیاء
۳۸۔ ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب، ۹/۲۹۷
۳۹۔ زمخشری، جار اللہ محمود بن عمر، الفائق فی غریب الحدیث، ۲/۱۵۰
۴۰۔ الدانی، ابوعمرو، المقنع، ص ۳، برلن، ۱۹۴۹ء
۴۱۔ ابن سعد، محمد، الطبقات الکبریٰ، ۴/۱۵۴
۴۲۔ ایضاً، ص ۱۲۸
۴۳۔ ابن ابی حاتم، عبدالرحمٰن، آداب الشافعی و مناقبہ، ص ۲۴۔۲۵، مطبعۃ السعادۃ، مصر، ۱۹۵۳ء
۴۴۔ ایضاً
۴۵۔ ابن الندیم، محمد بن اسحاق بن یعقوب، الفہرست، ص ۳۱، المطبع الرحمانیہ، مصر، ۱۹۵۶ء
۴۶۔ زمخشری، محمود بن عمر، الفائق، [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۷۔ الاسد، ناصر الدین، مصادر الشعر الجاہلی، ص ۹۳

۴۸۔ آلوسی، محمود شکری، بلوغ الارب (مترجم محمد حسن)، ۵۳۴/۴

۴۹۔ Durant, Will- Our Oriental Heritage, p-171

۵۰۔ Hitti, P.K. History of Syria, p-277, Published by Macmillan & Co. Ltd London. 1951

۵۱۔ المرزوقی، احمد بن محمد، کتاب الازمنۃ والامکنۃ، ص ۳۸۷

۵۲۔ زبیدی، مرتضیٰ، تاج العروس، ۲۵/۳، دار احیاء التراث العربی، ۱۹۹۴ء

۵۳۔ ابن ابی داؤد عبداللہ بن سلیمان، کتاب المصاحف، ص ۲۳

۵۴۔ ایضاً، ص ۲۴ ۵۵۔ حسان بن ثابت، دیوان، ص ۱۵

۵۶۔ قلقشندی، احمد بن علی، صبح الاعشیٰ، ۴۸۵/۲

۵۷۔ ابن ندیم، محمد بن اسحاق، الفہرست، ص ۳۱

۵۸۔ زبیدی، مرتضیٰ، تاج العروس تحت لفظ ”قرطس“

۵۹۔ الاسد، ناصر الدین، مصادر الشعر الجاہلی، ص ۹۲

۶۰۔ سبعۃ معلقات، معلقہ طرفہ بن عبد، قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱۹۹۲ء

۶۱۔ ابو زید، محمد بن ابو الخطاب جمہرۃ اشعار العرب، ۱۷۳/۲، بولاق، ۱۹۹۰ء

۶۲۔ ابن ندیم، محمد بن اسحاق، الفہرست، ص ۳۱

۶۳۔ ہمدانی، حسن بن احمد، صفۃ جزیرۃ العرب، ص ۱۲۰

۶۴۔ شیدائی، ابراہیم، کتاب کی تاریخ، اردو ترقی بیورو، ص ۵۵، دہلی، ۱۹۸۳ء

۶۵۔ قلقشندی، احمد بن علی، صبح الاعشیٰ، ۴۸۶/۲

۶۶۔ ڈاکٹر انجم، المعارف، جولائی تا اگست ۱۹۹۶ء (خصوصی شمارہ نمبر ۵)، ص ۱۳۳۔

۶۷۔ عبدالحلیم، ندوی، عربی ادب کی تاریخ، ۶۸/۱، ترقی اردو بیورو، دہلی، ۱۹۹۸ء

۶۸۔ ابن حجر، احمد بن علی، الاصابۃ فی تمییز الصحابہ، ۳۳۸/۳، مطبع السعادۃ، مصر، ۱۳۲۸ھ

۶۹۔ گیلانی، مناظر احسن، تدوین قرآن، ص ۴۰، مکتبہ اسحاقیہ، کراچی، ۱۹۸۴ء

© rasailojaraid.com